ناولٹ

لاپتا

نمرہ احمد

شام کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دوپہر میں خوب بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہری گھاس ابھی تک گیلی تھی۔ ڈرائیو وے کا فرش بھی پانی کی تہ سے شیشے کے مانند چمک رہا تھا۔

وہ موسم سے جیسے بے نیازسی لان کے وسط میں رکھی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ چائے کا کپ سامنے میز پر رکھا تھا اور اخبار کے صفحات گھٹنے پر پھیلائے وہ کوئی سیاسی کالم پڑھنے میں منہمک تھی۔ پڑھتے پڑھتے وہ چائے کا کپ بھی اٹھالیتی اور ذرا سا گھونٹ بھر کر واپس رکھ دیتی۔ اس دوران بھی اس کی نگاہیں اخبار سے نہ ہٹتیں۔

وہ سادہ گلابی رنگ کے جوڑے میں ملبوس تھی۔ دوپٹا شانوں پر پھیلا تھا، بال کندھوں تک آتے تھے جنہیں اس نے کیچر میں ہاف باندھ رکھا تھا۔ سامنے

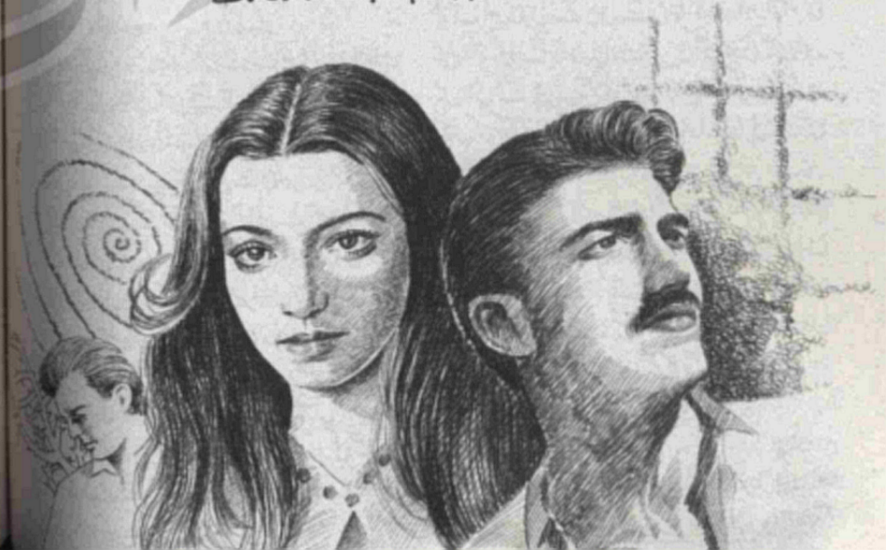

سے بال ترچھے سے کٹے ہوئے تھے اور اتنے چھوٹے تھے کہ کانوں کے پیچھے نہیں اڑسے جاتے تھے، سوجب وہ یونہی گردن جھکا کر اخبار پڑھنے میں محو ہوتی تو یہ چند لٹیں ماتھے پر جھول رہی ہوتیں۔ دفعتاً میز پر رکھا اس کا موبائل ایک حرکت کے ساتھ بجنے لگا۔ اس نے کالم کی سطر پڑھتے پڑھتے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور چہرے کے سامنے لاکر اسے دیکھا۔ رضا انکل کی کال تھی، ابا میاں کے بہترین دوست جو ہر دوسری شام یہیں پائے جاتے تھے۔ آج جانے کیوں نہیں آئے تھے۔ اس نے سبز بٹن دبایا اور فون

کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم رضا انکل! کیا حال ہیں آپ کے؟" وہ پھر سے کالم پہ نگاہیں جمائے کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز میں وہی سنجیدگی اور ٹھہراؤ تھا جو اس کے چہرے بلکہ پوری شخصیت پہ چھایا ہوا تھا وقار بھرا ٹھہراؤ۔

"میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ، تمہارے ابا میاں کا بھوت اترا انیکسی کو کرائے پہ چڑھانے کا یا نہیں؟"

"کہاں انکل...... میری تو سنتے ہی نہیں ہیں، حالانکہ کہہ کہہ کر تھک چکی ہوں کہ ضرورت کیا ہے گھر میں شور کرنے کی۔ ہم دو لوگ ایک دوسرے کو بہت ہیں مگر...... لیں وہ آ ہی گئے۔" اس نے صفحہ پلٹتے ہوئے ابا میاں کو برآمدے کی سیڑھیاں اترتے دیکھ لیا تھا، جبھی ایک گہری ٹھنڈی سی سانس لی۔

"بعض اوقات دو کو تیسرے کی ضرورت ہوتی ہے محترمہ!" وہ جب بھی خفگی بھرا ناصحانہ انداز اپناتے اسے یوں ہی محترمہ کہتے تھے۔

"ہمارا تیسرا اللہ ہے اور وہ ہمیں کافی ہے۔" اس نے دانستہ بلند آواز میں کہا اور فون ابا میاں کی جانب بڑھا دیا جو اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ رہے تھے۔

"لیجیے، آپ کے دوست ہیں جو آج غلطی سے یہاں نہیں آئے۔" ابا میاں نے مسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے فون تھام لیا۔ اس کی آواز رضا انکل نے سن لی تھی جبھی خفگی سے بولے۔

"لالہ رخ سے کہو، اگر میرا آنا اتنا ہی برا لگتا ہے تو آئندہ نہیں آؤں گا۔" فون کی آواز اتنی تھی کہ وہ سن سکتی تھی۔

"بہت بہتر، یہی بات اسٹامپ پہ لکھ کر دیں تو میں مانوں گی۔" وہ خفگی سے کہتی واپس اخبار کی جانب متوجہ ہوگئی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ مذاق کر رہی ہے مگر وہ مذاق کرتے ہوئے بھی مسکراتی نہیں تھی۔ بس ایک ٹھہراؤ سا تھا چہرے پہ اور وہی ٹھہراؤ لالہ رخ کی ساری زندگی بن چکا تھا۔

"سن لیا اپنی بیٹی کا جواب، اب بتاؤ میرے کام کا کیا بنا؟" کرسی کھینچ کر آرام سے بیٹھ لینے کے بعد اب ابا میاں فون پہ کہہ رہے تھے۔ ان کی بات کے جواب میں رضا انکل کچھ بتانے لگے تھے۔ آواز قابل سماعت تھی مگر وہ توجہ نہیں دے رہی تھی، سو سن نہ پائی۔

"اچھا، یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ فیملی ساتھ ہے یا اکیلا ہے؟ ہوں اچھا...... بہن، بھائی نہیں ہیں تو ماں باپ، بیوی، بچے تو ہوں گے۔ اچھا...... اچھا باپ نہیں ہے اور ماں؟ اچھا ٹھیک، تو وہ بھی کراچی سے آ رہی ہے یا یہ اکیلا ہوگا؟ ہاں، خیر ایک بندہ بھی بہت ہوتا ہے۔ میں تو کافی عرصے سے کہہ رہا تھا کہ اس انیکسی کو رینوویٹ کرواؤں مگر یہ لالہ اس بڈھے کی سنتی کہاں ہے۔ اپنی ہی مرضی کرتی ہے۔" لالہ رخ نے صفحے سے نگاہ نہیں اٹھائی، ویسے ہی انہماک سے پڑھتی رہی۔

"یہ تو ابھی میں نے نوراں سے کہہ کر انیکسی کی صفائی کرائی ہے، اسے کھولا ہے تاکہ یہ کرائے پہ چڑھ سکے۔ ورنہ ہماری دختر نیک اختر کا بس چلے تو گھر میں پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کا داخلہ بھی بند کر دیں۔ خیر تم کاشان کو کہو کل ہی مستری، مزدوروں کو بھیج دے ادھر تاکہ مرمت کا کام ہو سکے، ورنہ انیکسی رہنے کے قابل بھی نہیں ہے۔" انہوں نے رضا انکل سے ان کے بیٹے کاشان کا نام لے کر کہا۔ کاشان اپنی بیوی کے ساتھ اکثر ان کی طرف چکر لگایا کرتا تھا اور ایسے بہت سے کام ابا میاں اس کے سپرد کرتے رہتے تھے جنہیں وہ بخوشی انجام دیتا تھا۔

"تو تمہارے دوست کا یہ بیٹا کب تک آ جائے گا؟ ہوں...... ٹھیک ہے، بس تم اس کو پتا وغیرہ خود

سمجھا دینا اور میرا نمبر دے دینا۔ میں بات کرلوں گا۔" فون بند کر کے انہوں نے میز پہ رکھا اور اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح اخبار کے مطالعے میں محو تھی۔

"کرائے دار مل گیا ہے۔" انہوں نے پُرمسرت انداز میں اطلاع دی۔

"میں تو اب بھی کہوں گی کہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ پڑھتے ہوئے بولی۔

"بس پھر نہ ہی کہو۔" وہ جیسے بگڑ کر کھڑے ہوئے۔ "تم تو اس گھر کی ویرانیوں کی عادی ہوگئی ہو مگر میں نہیں ہونا چاہتا۔" وہ خفگی سے بڑبڑاتے لمبے ڈگ بھرتے واپس اندر چلے گئے۔

لالہ رخ نے اطمینان سے اگلا صفحہ پلٹا، وہ وقت گزر گئے جب اسے ایسی باتوں سے فرق پڑتا تھا۔ اب تو ہر شے میں جمود اور ٹھہراؤ تھا اور اس نے ان ویرانیوں کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔

☆☆☆

انیکسی سے صبح سے شور کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ پالش، پینٹ، مرمت، چیزوں کی اٹھا پٹخ، مزدوروں کا آنا جانا، انیکسی کے بیرونی برآمدے کے باہر مشینوں، ٹھکر اور ایسی چیزوں کا ڈھیر لگا تھا۔ وہ اسکول سے آئی تو سارے لان میں افراتفری دیکھی۔ کار پورچ میں کھڑی کر کے وہ باہر نکلی اور ایک نظر انیکسی پر ڈال کر اندر چلی گئی۔ وہ نظر خاصی بے نیاز اور بے پروا سی تھی۔

انیکسی کے برآمدے میں کاشان کے ساتھ کھڑے ابا میاں نے تاسف سے اس کی وہ نظر دیکھی اور سر جھٹک کر کاشان سے بات کرنے لگے، وہ بات جو ڈرائیو وے میں گاڑی داخل ہوتے دیکھ کر انہوں نے ادھوری چھوڑ دی تھی۔

وہ آتے ہی سو گئی، کھانا نہیں کھایا سو شام میں جب وہ کچن میں کھڑی مائیکرو ویو میں کھانا گرم کر رہی تھی، ابا میاں اور کاشان محو گفتگو اندر داخل ہوئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"کیسے ہو کاشان اور تب سے نہیں گئے یا دوبارہ آئے ہو؟ ابا میاں بھی تمہیں خوامخواہ تکلیف دیتے رہتے ہیں، اتنے ہلکان مت ہوا کرو۔" وہ بہت شائستگی سے کہتی ساتھ ساتھ کام نمٹا رہی تھی۔ کھانا اس نے نکال کر الگ رکھ دیا تھا۔ اب فریزر سے کباب، رول، سموسے نکال رہی تھی۔

"یہ تو میرا فرض ہے لالہ رخ...... اور آپ ٹھیک ہیں؟" وہ ڈھیر سے ہنس کر بولا اور ابا میاں کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ لاکھ انکار کرتا مگر ابا میاں اسے ایک پُرتکلف سی چائے پلوائے بغیر جانے نہ دیتے تھے۔

"فرض تو خیر کسی اور کا تھا۔" وہ فرائی پین میں

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۃ یاسین کے نقش پر فیروزہ، یمنی، عقیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہو جائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد نیک، میاں بیوی کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مرد و عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ہر مرض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۃ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826,021-32446647

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

تیل اڑ چھینٹے ہوئے ہولے سے بڑبڑائی۔ کاشان نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ گردن ذرا سی ترچھی کیے تیل ڈال رہی تھی۔ اس کی نگاہیں تیل کی گرتی دھار پر جمی تھیں، چہرے پر وہی ازلی سکون تھا۔ اس کی ان ٹھہری ہوئی باتوں کے سب عادی تھے پھر بھی ہر بار کاشان چونک جایا کرتا تھا لیکن پھر سر جھٹک کر پچھلے کام میں مگن ہو جاتا۔

"بس ایک ہفتے کا کام ہے، آپ سر پر رہیں گے تو چھ دن میں ہی ختم ہو جائے گا ورنہ چھ ہفتے لگا دیں گے یہ لوگ۔ میں ڈیلی چکر لگاتا رہوں گا، یہ بندہ اچھا ہے، کام ٹھیک سے کرے گا۔"

لالہ رخ نے تیل کی سطح کو دیکھا۔ اس پہ بلبلے بننے لگے تھے۔ بہت ننھے، تقریباً نادیدہ سے بلبلے۔ اس نے بھرے ہوئے کچھ رول اٹھائے اور ایک ایک کر کے تیل میں ڈالتی گئی۔ ہر رول کے گرتے ہی شڑ شڑ کی آواز بلند ہوتی اور ان گنت بلبلے سفید رول سے علیحدہ ہونے لگتے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمام کمروں کو وہی پرانے آف وائٹ کے بجائے کسی اور رنگ میں پینٹ کرواؤں، تم کیا کہتے ہو؟"

"بالکل انکل۔۔۔ جیسے ہمارے لونگ روم کا پینٹ ہے، ایک دیوار گہری سی گرین تو باقی تینوں بہت ہلکی سی گرین۔ اس طرح کے شیڈز اچھے لگیں گے۔"

دوسرے چولہے پر اس نے توے کو چکنا کر کے کباب تلنے شروع کر دیے تھے۔ پھینٹے ہوئے انڈے میں لتھڑے کباب وہ گرم توے پر رکھتی گئی۔ رول اب ایک طرف سے سنہری ہونے لگے تھے۔ اس نے کفگیر سے ان کو پلٹا۔ اس کا کھانا ایک طرف ڈھکا اب ٹھنڈا ہونے لگا تھا۔

"ہاں، یہی بہتر رہے گا، کل فیاض سے کہنا آ کر اسپاٹ اور ایل سی ڈی کی فٹنگ کر جائے۔"

چائے کو دم آ رہا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مشغول تھے۔ لالہ رخ سنہری تلے ہوئے رول، سموسے اور کباب الگ الگ پلیٹوں میں نکالنے لگی۔ پھر اس نے کیبنٹ سے کیچپ کا جار نکالا اور کیچپ پلیٹ میں سیٹ کیے۔ فریش چاکلیٹ کیک فریج میں رکھا تھا۔ اس نے وہ بھی ساتھ میز پر رکھا اور چائے پیالیوں میں ڈالنے لگی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

"کیا نام بتایا تھا تم نے اس لڑکے کا؟" ابا میاں ایک کباب چکھتے ہوئے جیسے یاد کر کے پوچھنے لگے۔

"فرہاد، فرہاد تیمور۔"

"ہوں، اگلے سوموار تک تو آ جائے گا نا؟"

"جی۔۔۔ یہاں کسی ہوٹل میں رہ رہا ہے ابھی۔ اچھا بندہ ہے، میں ملا تھا۔ ابا کے ایک دوست کا بیٹا ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ انیکسی کرائے پر چڑھانی ہے تو ہم نے اسے کہہ دیا۔ وہ گھر ہی ڈھونڈ رہا تھا مگر آپ تو جانتے ہیں اکیلے بندے کو پورشن آسانی سے نہیں ملتا۔"

اسی پل "ٹن" کی آواز کے ساتھ وال کلاک نے چھ بجائے۔ لالہ رخ کے تیزی سے حرکت کرتے ہاتھ تھمے، اس نے چونک کر گھڑیال کو دیکھا اور پھر یک دم سب کچھ وہیں چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ چند لمحوں بعد وہ سنک کے پیچھے بنی دیوار گیر کھڑکی سے جو لان میں کھلتی تھی، ڈرائیو وے پر تیز تیز قدموں سے چلتی گیٹ کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

کاشان اور ابا میاں اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے ایک دفعہ بھی مڑ کر لالہ کو نہیں دیکھا تھا۔ انہیں پتا تھا کہ وہ کدھر جا رہی تھی۔ انہیں پتا تھا کہ وہ روز شام کو چھ بجے کدھر جاتی تھی۔ انہیں یہ بھی پتا تھا

کہ وہ پچھلے آٹھ برسوں سے روز شام کو چھ بجے ادھر جایا کرتی تھی اور انہیں یہ بھی پتا تھا کہ ٹھیک دس منٹ بعد جب وہ واپس آئے گی تو اس کے چہرے پر آٹھ برسوں کی تھکان رقم ہوگی۔ اس لیے اسے جاتے اور واپس آتے دیکھنے سے وہ گریز کیا کرتے تھے کہ ان کا دل اسے یوں دیکھ کر بہت اندر تک کٹ جاتا تھا۔

☆☆☆

"ابا میاں۔۔۔" وہ قدرے خفگی سے انہیں آوازیں دیتی انیکسی کے برآمدے تک آئی تھی۔ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑے ہو کر اس نے دیکھا۔ اندر کو جاتا دروازہ پورا کھلا تھا اور ابا میاں لاؤنج میں کھڑے نوراں اور اصغر کو ہدایات دے رہے تھے یا شاید ان کے کام میں کیڑے نکالتے خفا ہو رہے تھے۔

نوراں اپنے چودہ سالہ بیٹے اصغر کے ساتھ بھاگ بھاگ کر کام نپٹا رہی تھی۔ انیکسی رنگ و روغن اور نئے پالش شدہ فرنیچر سے چمک اٹھی تھی۔ لالہ رخ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔ برآمدے میں جہاں پہلے چپس کا کام تھا اب وہاں سفید لش لش چمکتا ماربل لگا تھا۔ اندر ایک بیڈ روم، اٹیچ باتھ، کچن اور ایک لونگ روم تھا۔ اس نے لونگ روم کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر سرسری سا اندر دیکھا۔ وہاں سے سارے گھر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ سب جگہ سفید ماربل کا کام ہوا تھا۔ لونگ روم کی ایک دیوار گہری سی گرین اور باقی ہلکی گرین تھیں۔ اندر بیڈ روم کے کھلے دروازے سے بھی یونہی پیچ کلر کے دونوں شیڈز کی دیواریں جھانک رہی تھیں۔

"ابا میاں!" اس نے انہیں پکارا۔

"جی محترمہ۔۔۔ فرمائیں۔" وہ نوراں کو برہمی سے کچھ کہتے کہتے پلٹے۔

"دوائی لی آپ نے؟"

"نہیں۔۔۔ اور نہ ہی میرا موڈ ہے۔" وہ سخت خفا لگ رہے تھے۔

"موڈ ہو یا نہ ہو، یہ پکڑیں اور کھائیں۔" اس نے ٹیبلیٹ اور پانی کا گلاس ان کے ہاتھ میں تھمایا۔

"ہٹاؤ، مجھے نہیں لینی دوا۔ عاجز آ چکا ہوں میں ان دواؤں سے۔" انہوں نے اکتا کر گلاس واپس اسے تھمانا چاہا مگر وہ دو قدم پیچھے کو ہٹ گئی۔

"نہیں کھائی تو نہ کھائیں، میں یہی گلاس اٹھا کر آپ کی اس نئی پینٹ شدہ دیوار پر دے ماروں گی تو آپ کو یاد آئے گا کہ لالہ رخ کون ہے۔"

"مجھے یاد ہے کہ لالہ رخ کون ہے۔" انہوں نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے دوائی نگلی اور پانی کا گلاس اسے واپس تھمایا۔

"تم نے انیکسی کی تعریف نہیں کی۔" انہیں دفعتاً یاد آیا۔

"ہاں، اچھی لگ رہی ہے۔" اس نے اسی ٹھہراؤ سے کہا، وہ جانتے تھے کہ اس نے بغیر کسی جذباتی احساس کے یہ فقرہ ادا کیا ہے۔ غیر دلچسپی، بے نیازی اور سنجیدگی۔۔۔ وہ آٹھ سال سے لالہ کے اسی چہرے کے عادی ہو چکے تھے پھر بھی ہر بار یہ چہرہ ایک نئے دکھ سے روشناس کراتا تھا۔ اس کے چہرے میں انہیں اور بہت کچھ یاد آنے لگتا۔

"کرایہ دار دو چار روز میں آ جائے گا۔" انہوں نے اس کی دلچسپی پیدا کرنے کی ایک ناکام کوشش کی۔

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر واپس جانے کے لیے پلٹ گئی۔

"کدھر؟" وہ جانتے تھے کہ مغرب کے قریب وہ کہاں جا رہی ہوگی پھر بھی پوچھ بیٹھے۔ ایک نئے دکھ سے روشناس ہونے کے لیے۔

"کھانا بنانے۔" وہ مڑ کر بولی۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور اس کا وہ دو لفظی فقرہ ان کو بہت کچھ

یاد کر آ گیا۔

"جاؤ...... کھانا بناؤ....." وہ دھیرے سے بولے اور رخ پھیر گئے۔ ان دونوں کا کھانا نوراں دوپہر سے پہلے پہلے بنا لیتی تھی جو رات تک پورا ہوتا تھا۔ مگر ہر شام لالہ رخ ایک برتن میں علیحدہ کھانا تیار کرتی تھی وہ اس ریاضت کی عادی تھی، وہ جانتے تھے۔

وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر چلی گئی۔ ابا میاں نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا اور پھر آنکھ کے کنارے کو انگلی سے پونچھا۔

لالہ رخ ان کی طرح نہیں روتی تھی، وہ چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی۔ کبھی کبھی ان کا دل کرتا تھا کہ وہ روئے، زور زور سے اونچا اونچا، اپنے اندر کا غبار باہر نکال لے مگر وہ روتی نہیں تھی اور انہیں لگتا شاید آنسو اس کے اندر جمع ہو کر ایک سمندر بن جائیں گے اور ایک دن اس کو بہا کر لے جائیں گے اور ابا میاں کو اس دن سے بہت ڈر لگتا تھا۔

☆☆☆

آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ لالہ رخ اس کے قریب کرسی ڈالے بیٹھی گھٹنوں پہ میگزین رکھے بہت انہماک سے پڑھ رہی تھی۔ اس کے بال کلپ میں مقید تھے اور وہ پاؤں اوپر کو سمیٹے بیٹھی تھی۔ ابا میاں بڑے صوفے پہ بیٹھے ریموٹ پکڑے چینل بدل رہے تھے، وہ کسی ایک چینل پر ٹھہرتے نہیں تھے، بار بار بٹن دباتے۔ آوازوں کا سلسلہ شروع ہوتا پھر چینل بدلنے سے دو سیکنڈ کے لیے تھمتا پھر دوبارہ شروع ہوتا۔ یہ چکر کافی دیر سے جاری تھا۔

"آپ کا کرایہ دار نہیں آیا؟" لالہ رخ نے میگزین کا صفحہ پلٹتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ صرف بات برائے بات پوچھ رہی تھی۔

"نہیں، شاید کل تک آجائے۔" لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔ چینل بدلنے سے ٹوٹنے، جڑنے والا شور سنائی دینے لگا۔

"آج اس کا فون آیا تھا۔" انہوں نے کہا تو اس نے بری طرح چونک کر سر اٹھایا۔

"کس کا؟"

"فرہاد کا...... اسی کرائے دار کا۔" وہ ٹی وی پہ نگاہیں جمائے کہہ رہے تھے، سو انہوں نے لالہ کے ڈھیلے پڑتے اعصاب کو نہیں دیکھا۔

"اچھا۔" وہ بے دلی سے میگزین کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"مجھے بات کرنے کے انداز سے تو بہت اچھا لگا۔ کراچی میں گھر ہے اس کا۔ ماں باپ کا اکلوتا ہے، شادی ابھی کی نہیں ہے اور باپ کی ڈیتھ کے بعد ماں کراچی میں ہوتی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ کچھ عرصے بعد ماں بھی ادھر آجائے گی۔"

"ہوں......" وہ پڑھتی رہی۔

"انجینئر ہے، میکاٹرونکس میں، ٹیک ماسٹرز سے پڑھا ہے۔"

"اچھا۔"

"آج کل یہاں اسلام آباد کے کسی ہوٹل میں رہ رہا ہے، بلیو ایریا کے قریب۔"

"ہوں۔" انہیں لگا وہ ان کی بات سن بھی نہیں رہی۔

"اس کے آنے سے رونق ہو جائے گی، ہے نا؟"

"ہوں۔" مبہم سا جواب دیا۔

"میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ وہ دوپہر اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے گا اور اس معاملے میں وہ ہمارا مہمان ہوگا، نہ کہ کرائے دار۔"

"کیا ضرورت ہے کسی اجنبی کو گھر میں داخل کرنے کی؟" اس کی پیشانی پہ ذرا سا بل پڑا۔

"اجنبی کو اپنا بنتے دیر کتنی لگتی ہے۔ بعض اجنبی بہت آرام سے قریب آجاتے ہیں۔"

"اور بعض اپنے بہت آرام سے دور چلے جاتے ہیں۔" اس کی نگاہ میگزین سے پھسلتی ہوئی دہکتے کوئلوں پر جا لگی۔ سرخ ہوتے کوئلوں سے نکلتی چنگاریاں اٹھ کر فضا میں گم ہو رہی تھیں۔

"اپنی مرضی سے کون دور جاتا ہے لالہ؟ یہ تو قسمت ہوتی ہے جو داؤ کھیل جاتی ہے اور انسان کو پتا بھی نہیں چلتا۔"

"ہر داؤ قسمت نہیں کھیلتی ابا میاں، بعض داؤ انسان بھی کھیل جاتے ہیں انسانوں کے ساتھ اور سب سے مہلک داؤ تو یہی ہوتے ہیں پھر ہم ساری عمر اسی لکیر کو پیٹتے رہتے ہیں۔ بچوں کی طرح روتے رہتے ہیں مگر ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہم تہی داماں رہ جاتے ہیں۔" وہ دہکتے کوئلوں کو دیکھتی کہتی جا رہی تھی۔ ابا میاں نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ بولتی کم تھی اور جب بولتی تھی تو ایسی باتیں ہی کیا کرتی تھی۔

"صبر کرو لالہ، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"صبر؟" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ "صبر ہی تو کر رہی ہوں، ابا میاں، صبر شکوہ نہ کرنے کو کہتے ہیں اور میں وہی تو کر رہی ہوں۔" دونوں کے درمیان طویل خاموشی چھا گئی۔ پس منظر میں نیوز چینل کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی مگر اسے سن کوئی نہیں رہا تھا۔

"ابا میاں......" اس نے آتش دان کو دیکھتے ہوئے بہت دور سے انہیں پکارا۔

"ہوں؟" وہ ہولے سے بولے۔

"میں کسی کو نہیں معاف کروں گی ابا میاں...... میں حشر کے دن ایک ایک کا گریبان پکڑوں گی، آج تو وہ بچ گئے ہیں، اس دن کوئی نہیں بچ سکے گا۔ اس دن ان کو چن چن کر اسی ہی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں انہوں نے مجھے ڈالا ہے، میرے صبر کی آگ انہیں راکھ کر دے گی ابا میاں، میں کسی کو معاف نہیں کروں گی۔" وہ کوئلوں کی سرخی، سیاہی کو دیکھتی بے خودی کے عالم میں کہتی جا رہی تھی۔

ابا میاں چپ چاپ اسے دیکھے گئے۔ معاف تو وہ بھی نہیں کر سکے تھے، نہ کریں گے، یہ وہ جانتے تھے پھر بھی وہ ایسی باتیں کرتی تو ان کے دل پہ چھایا بوجھ بڑھ جاتا۔ خدا جانے اس شب کی سحر کب طلوع ہوگی۔

☆☆☆

چکن بریانی کی خوشبو سارے کچن میں پھیلی تھی۔ وہ احتیاط سے وزن دے کر پتیلے کا ڈھکن بند کر رہی تھی۔ ابھی دم آجائے تب تک وہ رائتہ تیار کرے گی۔ سبزیاں سامنے نکلی رکھی تھیں، بس ان کو کاٹنا تھا۔ دہی پھینٹ کر رکھا تھا۔ اس نے جلدی جلدی رائتہ تیار کیا۔ اسے بڑے لنچ باکس میں ڈال کر پیک کیا۔ دم آچکا تو پتیلے کو نوراں نے کپڑے میں لپیٹ دیا۔

"اب اسے گاڑی میں رکھوا دو، میں آرہی ہوں۔" وہ سنک کی ٹونٹی سے ہاتھ دھوتے ہوئے بولی تو نوراں سر ہلا کر باہر چلی گئی۔

وہ پرس اور چابیاں اٹھائے لاؤنج میں آئی تو آتش دان کے سامنے شطرنج کی چھوٹی میز لگی تھی۔ ابا میاں اور رضا انکل آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ابا میاں نے اپنے پیادے کو انگلیوں میں پکڑ رکھا تھا اور لب دانت سے دبائے بہت غور سے بساط کو دیکھ رہے تھے۔

"رضا انکل...... آپ کب آئے؟" اس نے ان کی آمد کی کوئی آہٹ نہیں سنی تھی جبھی ذرا حیرت سے کہتی ان کے قریب آئی۔

"جب آپ اپنا روزانہ کا پتیلا بنانے میں مگن تھیں۔" وہ سر اٹھا کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگے۔

"تبھی...... خیر مگر آپ تو مجھے اسٹاپ پر لکھ کر نہیں دے رہے تھے کہ اب کہیں آئیں گے......؟"

"وہ ارادہ میں نے چند روز کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔"

"اور ایسا کیوں کیا؟" وہ سامنے صوفے پر بیٹھی جھک کر سینڈل کے اسٹریپس بند کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے اس ابا میاں کی محبت کھینچ لاتی ہے۔"

"یا یوں کہیے کہ شطرنج کی محبت کھینچ لاتی ہے۔"

"اب یہ تو تمہاری مرضی ہے کہ تم کیا سمجھو۔"

"اچھا میں چلی۔" وہ اسٹریپس بند کر کے اٹھی اور پرس اٹھا کر کندھے پر لٹکایا۔

"کدھر؟" رضا انکل جانتے تھے مگر کبھی کبھی یونہی سوال کرلیا کرتے تھے۔

"یتیم خانے جا رہی ہوں کھانا دینے۔" پھر رک کر ابا میاں کو دیکھا۔ "آپ کھائیں گے، بریانی ہے؟" حالانکہ وہ ان کا جواب جانتی تھی پھر بھی پوچھ ہی لیا کہ ابا میاں کو بریانی بہت مرغوب تھی۔

"نہیں، ہمارا کھانا بہت ہے، تم وہیں دے آؤ۔"

"بہت بہتر......" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ رضا انکل اسے جاتے دیکھتے رہے...... کچھ سوچ کر اچانک اسے پکار بیٹھے۔

"سنو لالہ......" وہ دروازہ... کھولتے کھولتے پلٹی۔

"جی؟" وہی ٹھہراؤ بھرا سنجیدہ انداز جس میں برسوں کی مسافت کی دھول جمی تھی۔

"تم تھکتی نہیں ہو لالہ رخ؟"

"جیسے آپ کو شطرنج نہیں تھکاتی، ویسے ہی مجھے میرا کام نہیں تھکاتا۔ ہر شخص کی ایک عبادت ہوتی ہے اور یہ کام میری عبادت بن چکا ہے رضا انکل، پھر عبادت میں تھکاوٹ کیسی؟" اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سر ہلا کر گویا لاجواب سے ہو گئے۔

"اللہ حافظ۔" وہ دھیرے سے کہہ کر باہر نکل گئی۔ رضا انکل ایک افسردہ سی سانس باہر کو نکالتے واپس بساط کی طرف پلٹے۔

☆☆☆

"ان کو بھی کاٹو، یہ ادھر سے بھی اکھاڑو، اور گملے کے پیچھے سے بھی۔" وہ حسب عادت نوراں کے سر پر کھڑی ہو کر کیاریوں کی کاٹ چھانٹ کروا رہی تھی۔ ہفتے کا دن تھا اور اس کا آج آف ہوتا تھا سو وہ ان دو چھٹیوں میں گھر کے سارے نظر انداز رہ جانے والے کام کیا کرتی تھی۔

"مالی آج پھر نہیں آیا؟"

"نہیں بی بی، کل کہہ رہا تھا کہ اس کی دادی فوت ہو گئی ہے، گاؤں جا رہا ہے۔"

"کتنا؟ تیسری دفعہ فوت ہوئی ہے اس کی دادی" اس کو یاد کرا دینا تھا۔

"میں نے کہا تھا، پر وہ کہہ رہا تھا کہ دادے کو شادیوں کا بہت شوق ہے۔" نوراں قینچی تیز تیز چلاتی پتے کاٹ رہی تھی۔

"جانے دو نوراں...... اس کا دادا شاید تین سال قبل پہلی دفعہ فوت ہو چکا ہے۔ کل تو اتوار ہے، اب سوموار کو ہی آئے گا۔ اس سے کہنا شام میں مجھ سے مل کر جائے ورنہ میں اس کے دادا سے ہی بات کروں گی اب۔" وہ ہاتھ میں پائپ پکڑے باری باری گملوں کو پانی دے رہی تھی۔ پانی کی دھار سے گملوں کی مٹی لبالب بھر جاتی تو وہ پائپ کا رخ دوسرے گملے کی طرف کر دیتی۔ گملوں اور کیاریوں

میں اگے پودوں پر سے دھول اترنے لگی تھی۔ لہلہاتا ہوا سبز رنگ نکھر گیا تھا۔ سارے لان میں گیلی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی۔ بارش کے بعد کی خوشبو جب آسمان دھل کر صاف ہو جاتا ہے۔

"پانی بھی کتنی مقدس شے ہے بی بی، ہر چیز کو پاک کر دیتا ہے، ساری دھول اور گرد بہا لے جاتا ہے۔" نوراں قینچی کی نوک سے مٹی میں اگی خود رو جڑی بوٹی اکھاڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ اکثر یونہی فلسفیانہ باتیں کیا کرتی تھی۔ اس کی بیٹی دو دفعہ بیوہ ہو کر بہت دقتوں سے تیسری دفعہ بیاہی گئی تھی۔ چھوٹی دونوں بیٹیاں پیدائشی معذور تھیں، بس ایک بیٹا ہی اس کا سہارا رہ گیا تھا۔ حالات نے اسے ایسا بنا دیا تھا شاید۔

"پانی ہر شے نہیں دھو سکتا نوراں...... یہ زخم نہیں دھو سکتا، یہ دل کے داغ اور آگ کے جلے نشان نہیں دھو سکتا۔"

"مگر راکھ تو بہا کر لے جا سکتا ہے نا بی بی۔" وہ ذرا سا چونکی، پائپ ہاتھ میں ڈھیلا پڑا۔ دھار کا رخ بدل گیا۔ پانی نے اس کے پائنچوں کو بھگو دیا تو اس نے فوراً پائپ سیدھا کیا۔

"بہت سوچتی رہتی ہو تم نوراں۔"

"بس بی بی، بندہ جو سوچے، اچھا سوچے، ورنہ دماغ کھوکھلا ہونے لگتا ہے، یہ والی بھی نکال دوں؟"

"ہوں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ نوراں سر جھکائے مگن سی کام کرنے لگی، دفعتاً کسی آہٹ پر سر اٹھایا اور زور سے ہاتھ ہلایا۔

"ہش...... ہرے۔" اس نے کسی شے کو دور بھگانا چاہا تھا۔ لالہ رخ نے گردن موڑ کر دیکھا، دیوار کی منڈیر سے ایک بلونگڑا درخت پہ پھلانگتا نیچے اتر رہا تھا۔

"ہٹ پرے!" نوراں اسے بھگانے کو اٹھنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو؟ مت بھگاؤ اسے۔" وہ پائپ کیاری میں ڈال کر خفگی سے کہتی بلی کے بچے کی طرف آئی جو درخت کے تنے کے ساتھ چوکنا سا بیٹھا تھا۔

"کیوں اس بے زبان کو بھگا رہی ہو؟ ایسے کسی کو دھتکارتے نہیں ہیں۔" وہ آگے بڑھی اور پنجوں کے بل گھاس پر بیٹھتے ہوئے ٹچ ٹچ کی آواز نکال کر ہاتھ بڑھایا کہ بلونگڑا قریب آئے۔

اسی پل کھلے گیٹ سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ وہ گھاس پر پنجوں کے بل بیٹھی بلی کو اپنے پاس بلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا رک کر دیکھنے لگا۔

"میں تو بی بی اس لیے کہ...... پتا نہیں جی کس کی بلی ہے، خوامخواہ گھر میں کیوں گھسا ہے، گند کرے گی۔" نوراں شرمندہ ہو گئی۔ جانتی تھی کہ لالہ رخ کو ایسی باتیں کتنی بری لگتی ہیں پھر بھی کوتاہی کر جاتی۔

"ہمارا گھر اس ننھے سے بچے کے لیے چھوٹا تو نہیں ہے نوراں، ادھر آؤ میرے پاس۔" بلونگڑا اس کے ہاتھ کو سونگھتا اس کے قریب آ گیا۔ اس نے پیار سے اس کی فر سہلاتے ہوئے اسے بازو میں بھر لیا۔

"آئندہ کوئی دروازے پہ آئے تو اسے دھتکارنا نہیں، بے گھر کو پناہ دے دینی چاہیے۔ جانے اسے اپنے ٹھکانے کا پتا بھی ہے یا راستہ بھول گیا ہے؟" وہ اسے بازو میں لیے پیار کر رہی تھی۔

"بلیاں راستہ کبھی نہیں بھولتیں بی بی۔ ان کو میلوں دور بھی چھوڑ آؤ، یہ پھر بھی اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہیں۔" بلونگڑے کی نرم کھال سہلاتی ہوئی اس کی انگلیاں لمحے بھر کو تھمیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا۔

"کاش انسان بھی بلی جیسے ہوتے نوراں۔" نوراں چند لمحے خاموش رہی پھر یک دم

سے الجھتے ہوئے لالہ رخ کا کندھا ہلایا۔
"بی بی —— صاب۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ گیٹ کے ساتھ کوئی کھڑا تھا۔ اونچا، لمبا، اسمارٹ سا شخص۔ جینز کے اوپر گرے جیکٹ میں ملبوس —— اس کے قدموں کے قریب وہ بھاری بھرکم سوٹ کیس رکھے تھے۔ وہ بلونگڑے کو بازو میں لیے نووارد کو دیکھتے ہوئے اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا تھا۔
"السلام علیکم!" ان کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ قدرے گڑبڑا گیا۔
"وعلیکم السلام!" اس نے اسی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ سر ہلایا۔
"آپ؟"
"میں فرہاد ہوں، فرہاد تیمور —— یزدانی صاحب سے بات ہوئی تھی۔ ان کی انیکسی کرائے پر لینے کے لیے۔" وہ سنبھل کر اب خوش دلی سے بتا رہا تھا۔
"اچھا۔" اس نے سر ہلا دیا۔ ابا میاں کا نیا کرائے دار —— یہی سوچ کر وہ نوراں کی طرف پلٹی۔ "ان کو انیکسی میں لے جاؤ، چابیوں کا گچھا انیکسی کے برآمدے میں میز پر رکھا ہے۔" وہ پھر سے بلی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو اب اس کے ہاتھ کی پشت چاٹ رہی تھی۔
"یزدانی صاحب گھر پر ہیں؟" نوراں کے پیچھے جانے کے بجائے وہ رک کر ذرا جھجک کر پوچھنے لگا۔
"نہیں۔" وہ بلی کو دیکھتی اس کی پشت پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ چند لمحے لب کاٹتا رہا پھر پلٹ گیا۔
نوراں کے عقب میں انیکسی کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے ایک دفعہ پلٹ کر اسے دیکھا ضرور تھا۔ وہ ابھی تک بلی کو پیار کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ برآمدے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا، ادھر ادھر گردن گھما کر دیکھا۔ وہ سامنے لان میں کرسی پر بیٹھی مگن سی اخبار کے صفحے پلٹ رہی تھی۔ سادہ شلوار قمیص اور اوپر شانوں پہ پھیلی شال، کندھوں تک آتے بال کیچر میں آدھے باندھے ہوئے، وہ دنیا بھر سے لاتعلق سی لگ رہی تھی۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لمبے ڈگ بھرتا لان کی طرف آ گیا۔
"صبح بخیر ——" اس کے مقابل پڑی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے وہ مسکرا کر بولا تو لالہ رخ نے ذرا چونک کر سر اٹھایا۔
"صبح بخیر ——" وہ سرسری سا اسے دیکھ کر پھر سے اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ادھر بیٹھ سکتا ہوں؟"
"ہوں —— بیٹھ جائیں۔" وہ اب انہماک سے اپنا پسندیدہ کالم پڑھ رہی تھی۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"میں فرہاد ہوں، بنیادی طور پر ایک انجینئر ہوں اور فی الحال اتنا اچھا گھر ملنے پر بے حد خوش ہوں۔"
"نائس!" لالہ رخ کا چہرہ ابھی تک اخبار پر جھکا تھا۔
"رات میں جلدی سو گیا۔ یزدانی صاحب سے ملاقات نہیں ہو گی۔ کب تک آ جائیں گے وہ آج؟"
"وہ اپنے دوست کے ساتھ کسی کے گھر گئے ہیں۔ وہ دوپہر تک ہی آئیں گے۔" اب کے لالہ رخ کی پیشانی پر کچھ سی سلوٹ پڑی تھی، یوں جیسے اس کے مطالعے میں مخل ہوتے شخص سے اسے کوفت ہو رہی ہو۔
"وہ دوپہر کو آ کر تو وہ آرام کریں گے پھر میں شام کو ہی مل لوں گا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔
"یہی کر لیجیے گا۔"
"اس گھر میں صرف آپ دونوں رہتے ہیں؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ برجستہ کہہ اٹھا۔
"جی —— فی الحال۔"
"کسی اور کو رہنے آنا ہے کیا؟" اس کی بات سے وہ یہی سمجھا تھا۔ لالہ رخ نے ذرا سا چونک کر سر اٹھایا پھر ہولے سے سر جھٹکا۔
"شاید ——" وہ چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھتی گئی پھر اس کے چہرے سے ہوتی اس کی نگاہ بھٹک کر آسمان تک چلی گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، کسی کو نہیں آنا۔"
"آپ —— آپ یزدانی صاحب کی بیٹی ہیں نا؟"
لالہ نے نفی میں گردن ہلائی۔
"تو پھر؟" وہ ذرا حیران ہوا۔
"میں ان کی بہو ہوں۔"
"اوہ!" اس کی آنکھوں میں واضح حیرت ابھری۔ "آپ کے ہزبینڈ کدھر ہیں؟" وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے گردن کو جنبش دی۔
"وہ ادھر نہیں ہیں۔"
"تو کدھر چلے گئے؟"
"جہاں کوئی اپنی مرضی سے نہیں جاتا اور جہاں جانے والے واپس نہیں آتے۔ کسی دوسری، ان دیکھی دنیا میں رہ جاتے ہیں وہ۔" وہ کہتے کہتے کہیں کھو سی گئی تھی۔
"اوہ —— آئی ایم سوری۔" اس کے چہرے پر تاسف پھیل گیا۔
"خیر ——" وہ ایک زود رنج سانس لبوں سے خارج کر کے پھر سے اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ چند لمحے بہت ملال سے اسے دیکھتا رہا پھر ذرا ٹھہر کر بولا۔
"کتنا عرصہ ہو گیا؟"
"کس کو؟" لالہ نے سر اٹھایا، اس کے چہرے پر الجھن تھی۔
"آپ کے ہزبینڈ کو ——" اس نے لالہ کے دکھ کے پیش نظر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"آٹھ سال ہو گئے۔"
"یزدانی صاحب کے ایک ہی فرزند تھے؟"
"جی!" وہ پھر سے کالم پڑھنے لگی تھی۔
"وہ تو بہت دکھی ہوں گے پھر۔"
"یہاں ہر شخص دکھی ہے فرہاد صاحب —— سب کو اپنے اپنے دکھ لگے ہیں۔ خوش تو کوئی نہیں ہے۔"
"مگر جوان اولاد کا بچھڑ جانا بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔"
"دکھ کا کوئی پیمانہ —— نہیں ہوتا کہ ماپ لیں کون سا دکھ بڑا ہے کون سا چھوٹا۔ ہر دکھ کی اپنی جگہ ہوتی ہے اور ہر شخص کو اپنا دکھ زمین آسمان سے بھی بڑا لگتا ہے۔"
"صحیح کہا آپ نے، ہر دکھ کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا اس کی سانس میں شامل ہو گئی تھی۔
"بچے ہیں آپ کے؟" اور پوچھنے کے بعد اسے لگا اس نے کوئی بہت غلط بات کر دی ہے کیونکہ لالہ رخ کے چہرے پر یک دم بہت سا کرب ابھرا تھا۔ اس نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر فرہاد کو دیکھا، لب بھینچے وہ ...... جیسے بہت کچھ ضبط کر گئی۔ وہ نادم ہو گیا۔
"سوری —— میں پرسنل ہو گیا تھا، مجھے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"
"میرے دو بیٹے تھے، ایک پانچ سال کا، ایک

تین سال کا مگر حادثے عمریں تو نہیں دیکھتے۔ وہ حادثہ ہوا اور ان دونوں کو اپنے باپ کے ساتھ بہا کر لے گیا۔ اب اگر آپ کو کچھ اور نہیں پوچھنا تو میں جاؤں؟'' وہ اخبار کو یا نپٹنے والے انداز میں میز پر رکھ کر اٹھی اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''سنیے!'' وہ پکارا تھا۔ وہ برآمدے کے ستون کے قریب رکی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اگر آپ کو ملازموں کی پریشانی ہے تو ہماری ملازمہ آپ کے سارے کام کر دے گی، میں اسے بھیج دیتی ہوں ابھی۔''

''نہیں..... ہاں..... میرا مطلب ہے وہ آپ اسے بھیج دیں مگر..... ایک بات!'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ وہیں ستون کے ساتھ رکی کھڑی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایک بات کہنا تھی آپ سے۔''

''کہیے، میں سن رہی ہوں۔''

''حادثوں کا مقصد انسان کو مزید مضبوط بنانا ہوتا ہے نہ کہ یہ کہ وہ مسکرانا ہی بھول جائے۔ کبھی کبھی انسان کو مسکرا لینا چاہیے۔ ورنہ مسکراہٹ اجنبی ہو جاتی ہے اور اس اجنبیت اور شناسائی کے کھیل میں انسان خود کو کھونے لگتا ہے۔ آپ کی ٹریجڈی قابل رقت ہے مگر کبھی کبھی مسکرا دیا کریں۔''

لالہ رخ نے ایک خاموش، لاتعلق نگاہ اس پر ڈالی اور پلٹ کر برآمدے کے زینے چڑھتی گئی۔ وہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''چائے۔'' اس نے یک لفظی اطلاع دیتے ہوئے چائے کا مگ ابا میاں کے صوفے کے ہتھے پر رکھا اور اپنا مگ لیے آتش دان کے قریب بچھی جھولنے والی کرسی پر آ بیٹھی۔

''کرائے دار سے ملاقات ہوئی تمہاری؟'' وہ ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے یاد آنے پر پوچھنے لگے۔

''جی۔''

''کیسا لگتا ہے؟''

''پتا نہیں، مجھے انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔''

''سب ایک سے نہیں ہوتے لالہ رخ۔'' انہوں نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا۔

''مجھے تو سب ایک سے لگتے ہیں ابا میاں کیونکہ جو میرے ساتھ ظلم کر گئے میں نے ان کے چہرے نہیں دیکھے سو مجھے ہر چہرے کے پیچھے انہی چہروں کا گمان ہوتا ہے۔'' وہ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

''اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

''ان سے حساب لے بھی لیا گیا تو مجھے کیا ملے گا ابا میاں؟ ان پر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو مجھے کیا پتا چلے گا کہ میں تو ان کو جانتی بھی نہیں ہوں۔''

''پھر بھی... حساب تو ان کا ہوگا نا، اس دنیا میں نہ سہی، اگلی دنیا میں سہی۔''

''قیامت بہت دور ہے ابا میاں۔''

''ہر شخص کی قیامت اس کی موت کے ساتھ آ جاتی ہے۔ انتظار کرو ان کی قیامت بھی آئے گی۔'' لالہ رخ نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرتی رہی۔ جانتی تھی کہ ابا میاں جو باتیں کہہ رہے تھے وہ اسے کم اور خود کو تسلی دلانے کے لیے زیادہ تھیں۔

''اندر آ سکتا ہوں؟'' ادھ کھلے دروازے پر دھیمی دستک کے ساتھ وہ بولا تو ان دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فرہاد تیمور چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ جینز پر سویٹر پہنے، ہمیشہ کی طرح فریش اور وجیہہ۔

''آؤ آؤ بیٹا، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ ابھی نوراں کو بلانے ہی لگا تھا۔ کب سے پہنچا ہے اور پلٹ کر نہیں آئی۔'' ابا میاں گرمجوشی سے اٹھے اور آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ وہ بہت ادب سے جھک کر ان سے ملا۔

لالہ رخ نے ایک لاتعلق سی نگاہ اس پر ڈالی اور ٹی وی اسکرین کو دیکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرتی رہی۔

''بس شاور لینے میں دیر ہو گئی۔ وہ پہر میں اس لیے نہیں آ سکا کہ آپ کی تھکن کا خیال تھا۔ بہت معذرت۔'' وہ ان کے ساتھ بڑے صوفے پر ہی بیٹھ گیا۔ البتہ بیٹھتے ہوئے اس نے ایک نظر لالہ رخ پر ضرور ڈالی تھی۔

''السلام علیکم!'' ساتھ ہی شائستگی سے سلام بھی کیا، جس کا جواب اس نے سر کی جنبش کے ساتھ زیر لب ایسے دیا کہ وہ پھر ٹی وی کو دیکھ رہی تھی۔

''تو میاں، اینیکسی کیسی لگی تمہیں؟''

''بہت زبردست، آپ نے اس کی رینوویشن پر بہت محنت کی ہے، میں خود کو آپ کے زیر بار محسوس کر رہا ہوں۔''

''ارے، یہ تو میرا فرض تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہیں گھر پسند آیا۔'' ابا میاں واقعتاً بہت خوش تھے۔ لالہ رخ کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں۔

''پسند تو چھوٹا لفظ ہے اور نہ صرف گھر بلکہ مجھے اس گھر کے خاص سے مکین بھی بہت پسند آئے ہیں۔''

''اچھا۔'' ابا میاں ہنس دیے۔

''میں نے ممی کو صبح ہی فون کر دیا تھا کہ اب وہ جلد از جلد اپنی بہن کی خدمتوں سے فارغ ہو کر میرے پاس ادھر ہی آ جائیں۔ میری خالہ اصل میں بیمار ہیں اور ان کے بچے نہیں ہیں تو ممی انہی کے پاس رہ رہی ہیں آج کل۔''

''اوہ آئی سی، اللہ ان کو شفا دے۔ کب تک آ جائیں گی تمہاری والدہ؟''

''بس انکل، ایک ڈیڑھ مہینے تک خالہ کی اوپن ہارٹ سرجری ہونی ہے۔ جیسے ہی وہ صحت یاب ہوں گی، ممی واپس آ جائیں گی۔'' وہ یزدانی صاحب سے اب انکل پر آ گیا تھا مگر لالہ رخ ان دونوں سے قطعاً بے نیاز سی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''چلو یہ تو اچھا ہو جائے گا، میں اس گھر میں رونق چاہتا تھا اور تمہاری فیملی سے خوب رونق ہو جائے گی۔''

''اس کی تو آپ فکر نہ کریں۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔ اسی پل گھڑیال نے ٹن کی آواز کے ساتھ نو بجائے۔ لالہ رخ چائے کا مگ میز پر دھر کر تیزی سے اٹھی، سلیپر پہنے اور باہر نکل گئی۔ اس کے عجلت بھرے انداز پر فرہاد نے گردن موڑ کر ذرا حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ لاؤنج کا دروازہ پار کر گئی تھی اور کھلی کھڑکی سے اب گیٹ کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

''خیریت؟'' اس کے انداز سے وہ ذرا پریشان سا ہو گیا۔

''ہاں، خیریت ہے۔'' ابا میاں نے ایک تاسف بھری سانس اندر کو کھینچی اور سر جھٹکا۔ ''تمہارا آفس تو یہاں سے قریب پڑتا ہوگا..... کاشان بتا رہا تھا۔''

''جی!'' وہ جو پریشانی سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا، ذرا سنبھل کر سیدھا ہوا۔ ''قریب ہی ہے، پندرہ منٹ کی ڈرائیو ہے۔''

''گاڑی ہے تمہارے پاس؟''

''ابھی نہیں ہے، بس وہ چار دن تک نکلوا لوں گا۔''

''تب تک تم میری گاڑی استعمال کر سکتے ہو اور پلیز اب تکلف نہ کرنا۔ اگر تم میری گاڑی استعمال کرو گے تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''جی میں بالکل تکلف نہیں کروں گا، جب بھی ضرورت پڑی، ڈھیٹ بن کر فوراً چائے مانگنے آ جاؤں گا۔''

اسی پل لاؤنج کا دروازہ کھول کر لالہ رخ اندر آتی دکھائی دی۔ فرہاد نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات وہ نہیں تھے جو جاتے سے اس نے دیکھے تھے۔ اب وہاں تھکن تھی۔ صرف اور صرف تھکن...... شاید کرب بھی تھا۔ نارسائی کا کرب۔ وہ کچھ کہے بنا اندر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ فرہاد نے دیکھا ابا میاں نے تاسف سے سر جھٹکا تھا۔ لالہ رخ کا چائے کا ادھ بھرا مگ یونہی میز پر رکھا تھا۔ چائے اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

کاغذ پر بال پوائنٹ چلنے کی تیز تیز سی آواز کمرے میں سنائی دے رہی تھی۔ وہ کاپیوں کا ایک ڈھیر سامنے رکھے بیٹھی تھی اور ہاتھ میں پکڑی کاپی کو سرخ پین سے چیک کر رہی تھی۔ آج اسکول میں بچوں کا ٹیسٹ ہوا تھا اور کاپیوں کا انبار لگ گیا تھا جسے وہ چیک کرنے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ گھنٹا ہو گیا تھا اسے کاپیاں چیک کرتے ہوئے اور ابھی بس آدھی ہوئی تھیں۔

دفعتاً اسے کسی طوطے کے بولنے کی آواز آئی، جیسے دو پرندے بآواز بلند چہچہا رہے ہوں۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے کھڑکی کے پردے ہٹے تھے۔ لان کا منظر وہاں سے واضح تھا۔ کیاری کے قریب نوراں کا بیٹا اصغر کھڑا ایک بڑے سے پنجرے کو درخت کی موٹی سی شاخ کے ساتھ باندھ رہا تھا۔ پنجرے میں دو خوب صورت سے بڑے بڑے طوطے تھے۔ وہ ایک دم کاپی پھینک کر اٹھی اور تیزی سے باہر آئی۔ لاؤنج کا دروازہ پار کر کے وہ بھاگتے ہوئے لان میں پہنچی۔

''اصغر...... اصغر......'' چیختے غصے سے اس نے پکارا تھا، اصغر بڑبڑا کر پلٹا۔ پنجرہ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ بہ مشکل اس نے اسے سنبھالا۔

''جی باجی؟'' وہ ذرا سا سہم گیا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ غصے سے کہتی تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''وہ جی...... یہ پنجرہ باندھ رہا تھا اوپر۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ طوطے کہاں سے پکڑے ہیں؟'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھے جرح کر رہی تھی۔

''میں نے نہیں پکڑے، قسم لے لو باجی۔''

''اچھا کھولو پنجرہ اور چھوڑ دو ان کو۔''

''جی؟'' وہ بے چارہ ہکا بکا رہ گیا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ پنجرہ کھولو اور ان طوطوں کو اڑا دو۔''

''پر...... پر باجی، یہ تو صاحب کے ہیں، میں کیسے......''

''جس کے بھی ہیں، وہ انہیں پنجرے سے باہر نکالو، وہ اندر مر جائیں گے، تمہیں کیوں نہیں سمجھ آتی۔'' اسے حد درجہ کوفت ہو رہی تھی۔

''باجی...... یہ باہر کے طوطے ہیں، بہت مہنگے ہیں، صاحب تو مجھے جان سے مار دیں گے اگر میں نے...... وہ صاحب آ گئے...... آپ خود ہی بات کر لو جی۔'' وہ ہکلا کر کہتا، جلدی جلدی پنجرہ باندھنے لگا۔ وہ غصے سے بل کھا کر پلٹی...... فرہاد سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

''شام بخیر...... میں کافی دیر سے آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ سوچا ذرا مداخلت کر کے اس غریب کی جان بچا لوں، میرے طوطوں سے کیا دشمنی ہو گئی آپ کو؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''فرہاد صاحب!'' اس نے سنجیدہ نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''ان طوطوں کو آپ نے پنجرے میں بند کیا ہے؟''

''جی۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''شوق کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، ویسے یہ بہت قیمتی طوطے ہیں۔ پاکستانی روپوں میں پانچ چھ لاکھ سے کم نہیں ہوں گے۔''

''آپ نے انہیں خریدا ہے؟'' لالہ رخ کی پیشانی پہ شکن پڑ گئی۔

''جی اور ابھی میں نے پورے استحقاق سے ان کو اس پنجرے میں رکھا ہے۔''

''ہونہہ!'' اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ ''جس نے خریدا اسے خریدنے کا اختیار نہ تھا...... اور جس نے بیچا اسے بیچنے کا اختیار نہ تھا۔ پانچ چھ لاکھ؟ کتنی کم قیمت لگاتے ہیں آپ لوگ کسی جیتے جاگتے وجود کی۔ یہ حق کس نے دیا آپ کو کہ کسی مظلوم کو پکڑ کر پیچتے اور خریدتے پھریں؟ زندگیاں بکاؤ مال نہیں ہوتیں فرہاد صاحب مگر کاش کہ آپ سمجھیں۔'' وہ تاسف سے کہتی واپس جانے کو مڑی۔

''ایک منٹ لالہ رخ!'' وہ پیچھے سے پکار اٹھا۔ اسے جاتے ہوؤں کو پکارنے کی بہت بری عادت تھی۔ لالہ رخ نے ذرا سی گردن موڑی۔ فرہاد ہولے سے مسکرایا اور ایک ہاتھ سے شاخ سے لٹکتے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ بڑا تھا۔ جیسے ہی کھلا، طوطے پر پھڑپھڑاتے ہوئے باہر کو اڑ گئے۔

''اب خوش ہیں آپ؟'' وہ سینے پر بازو لپیٹے چند قدم چل کر اس تک آیا۔

''آپ یہ میری خوشی کے بجائے اللہ کی رضا کے لیے کرتے تو اچھا تھا کیونکہ اس کا بدلہ میں آپ کو نہیں دے سکتی۔'' وہ اسی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ یونہی کھڑا کتنی ہی دیر اسے جاتے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر سر جھٹکا اور ایجنسی کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

اس روز وہ کسی کام سے یتیم خانے آیا تھا اور اس وقت ریسپشن کاؤنٹر پہ کہنی ٹکائے کھڑا وہاں بیٹھے کلرک سے کچھ کہہ رہا تھا جب ایک دم رکا۔ اسے سامنے کاریڈور سے لالہ رخ آتی دکھائی دی تھی۔ سر پہ دوپٹا اوڑھے کندھے پر بیگ لیے وہ لاتعلق سی چلتی جا رہی تھی۔

''میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' کلرک کو عجلت میں کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اسے پکارا۔

''لالہ رخ!'' وہ باہر کھلنے والے گلاس ڈور کی جانب بڑھ رہی تھی۔ آواز پہ چونک کر رکی اور ادھر ادھر گردن گھمائی۔ فرہاد تیز قدموں سے چلتا اس تک آ رہا تھا۔

''لالہ رخ...... آپ ادھر؟'' وہ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا تھا۔

''جی!'' وہ کندھے پر لٹکتے پرس کے اسٹریپ کو پکڑے کھڑے بولی جیسے جانے کی جلدی ہو۔

''مگر...... خیریت تھی؟''

''کچھ کام تھا......'' شاید اسے وضاحت سے کوفت ہو رہی تھی۔

''کام؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ ''ادھر یتیم خانے میں؟''

''فرہاد صاحب، میں آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں۔'' وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔ ''بہرحال، میں یہاں کھانا دینے آئی تھی۔''

''اچھا......'' وہ جیسے اب بھی نہیں سمجھا تھا مگر کچھ پوچھنے سے گریز کیا۔

''میں جاؤں؟''

"جی..... ایک منٹ..... آپ گھر جا رہی ہیں؟"

"جی ہاں!" وہ بادل ناخواستہ رکی تھی۔

"مجھے بھی گھر ہی جانا ہے تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"شکریہ، میرے پاس کار ہے۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے، پھر آپ مجھے ڈراپ کر دیں کیونکہ میرے پاس کار نہیں ہے۔" وہ میرے سے ہنسا۔

لالہ رخ نے گہری سانس اندر کو کھینچی اور بہت ضبط سے بولی۔ "آئیں۔" وہ کہہ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"شکریہ!" فرہاد مسکراتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔

"اس روز میں نے آپ کو کھانے کا پتیلا گاڑی میں رکھواتے دیکھا تھا، مجھے بہت تجسس ہوا تھا کہ آپ اتنا سارا کھانا کدھر لے کر جا رہی ہیں مگر پوچھنا اچھا نہیں لگا۔ ادھر یتیم خانے میں آپ کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اس لیے پوچھ بیٹھا۔ میں ادھر ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ ریاض آغا، بورڈ آف ڈائریکٹرز میں سے ہے۔"

"میں نہیں جانتی....." اس نے شانے اچکا دیے اور ڈرائیو کرتی رہی۔

"آپ کیا روز یہاں کھانا لے کر آتی ہیں؟" وہ ونڈ اسکرین کے پار پھیلی سڑک کو دیکھ رہا تھا جو رات کی تاریکی میں اسٹریٹ لائٹس سے روشن لگ رہی تھی۔

"جی!" وہی مختصر جواب۔

"اور یہ سارا کھانا آپ اپنے ہاتھوں سے بناتی ہیں؟"

"جی!"

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟"

"کیا کیوں؟" اس نے ایکسیلیٹر کو پاؤں سے مزید دبایا۔

"اتنی محنت کیوں کرتی ہیں آپ؟ میرا مطلب ہے ہر روز اتنی مشقت اٹھانا..... آپ جاب بھی کرتی ہیں پھر یہ کام.....؟" وہ جیسے اس کے عجیب و غریب رویے کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"فرہاد صاحب، برا تو مجھے لگا ہے لیکن چونکہ آپ نے پوچھا ہے تو بتا رہی ہوں۔ مجھے چند بچوں کے لیے ایک وقت کا کھانا بنانے میں کوئی مشقت محسوس نہیں ہوتی، اگر میرے بیٹے میرے پاس ہوتے تو میں ان کے لیے بھی یہی کرتی، سو اب بھی وہی کر رہی ہوں۔" کالونی کے گیٹ سے گاڑی گزارتے ہوئے اس نے لب بھینچے اسی بے تکے انداز میں کہا تھا۔

"آپ یہ سب صرف چیریٹی کے لیے کرتی ہیں؟" وہ کار پورچ میں روک کر لاک کھول رہی تھی جب وہ پوچھ بیٹھا۔ لاک پر رینگتا اس کا ہاتھ تھما۔ اس نے گردن موڑ کر فرہاد کو دیکھا۔

"چیریٹی انسان کیوں کرتا ہے، یہ جانتے ہیں آپ؟"

"دل کے سکون کے لیے؟" وہ پوچھ رہا تھا یا شاید بتا رہا تھا۔

"پھر میں چیریٹی کے لیے نہیں کرتی کیونکہ مجھے اس سے سکون نہیں ملتا یا شاید میں اس سے سکون نہیں چاہتی۔"

"پھر اللہ کی رضا کے لیے؟"

"وہ بھی ہے مگر میری نیت شاید اتنی خالص اور بے غرض نہیں ہے۔" وہ لاک کھول کر باہر نکل آئی۔

"کیا آپ کسی غرض کے لیے یہ سب کرتی ہیں؟" وہ اپنی طرف سے باہر نکلا اور وہیں ادھ کھلے

دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھنے لگا۔ ان دونوں کے درمیان گاڑی کی چھت حائل تھی۔

"ہاں، میری غرض ہی سمجھ لیں۔"

"کیسی غرض؟"

"فرہاد صاحب، میرا خیال ہے بہت ہو چکا، میں اس سے زیادہ کسی کو اپنے پرسنل میں انٹرفیئر کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔" اس نے دروازے کو لاک کیا اور کھٹ کھٹ اوپر برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

اسے پیچھے سے پکارنے کی بری عادت تھی مگر آج اس نے اسے نہیں پکارا۔ اس کا دماغ بہت سی سوچوں کے تانے بانے الجھانے میں مگن تھا۔

☆☆☆

"کیا ضرورت ہے کسی اجنبی کو اپنے گھر کے اندر گھسانے کی؟" جب سے ابا میاں نے بتایا تھا کہ انہوں نے فرہاد کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے، وہ مسلسل کچن میں ادھر ادھر پٹختی بڑبڑائے جا رہی تھی۔ ابا میاں اس کی کسی بات کا نوٹس نہیں لے رہے تھے۔

"کیا ہم تنگ ہے کسی ایرے غیرے کو یوں گھر بلا کر کھانا کھلانے کی؟"

"میں تو چاہتا تھا کہ وہ روز دونوں وقت کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے مگر بہت خود دار بچہ ہے، بہت شائستگی سے معذرت کر گیا۔ یہ دعوت بھی بہ مشکل قبول کی ہے اس نے۔"

"تو نہ کرتا..... ہم دو ٹھیک ہیں آپس میں، کافی ہیں ایک دوسرے کو۔" وہ برتن لگاتے ہوئے مسلسل تپی ہوئی تھی۔

"ابھی ہیں، ہمیشہ نہیں رہیں گے۔"

"ہمیشہ کس نے دیکھا ہے ابا میاں؟"

"اور شاید دیکھنے کے لیے زندہ بھی نہ رہے، اس لیے یہ بے چارہ بڈھا اپنی تمام خواہشات اپنی زندگی میں پوری کرنا چاہتا ہے۔" مگر وہ لالہ رخ ہی

کیا جو ابا میاں کی جذباتی بلیک میلنگ کو خاطر میں لائے، سہولت سے کہہ گئی۔

"اچھے بھلے ہیں آپ اور میری طرح سخت جان، ہو گا کچھ نہیں آپ کو ابھی اتنے آرام سے۔"

"آخر تم کیوں نہیں چاہتی ہو کہ میں کسی مہمان کو انٹرٹین کروں، اپنا بیٹا سمجھ کر کسی سے اپنائیت سے ملوں؟" اس نے جھٹکے سے گردن اٹھائی، ہاتھ میں پکڑے پیچ پھسل کر کانچ کی پلیٹوں کے ڈھیر پر جا گرے۔ ذرا سی چھنا چھن کی آواز گونجی..... جیسی کانچ ٹکرانے کی آواز آتی ہے، جیسی دل ٹوٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

"ابا میاں!" وہ شدید صدمے سے چور ان کو دیکھ کر رہ گئی۔ "اسد کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ آپ کا صرف ایک ہی بیٹا ہے، اسد اور کوئی نہیں۔"

"کوئی انسان کسی کی جگہ نہیں لے سکتا، بس جذبے ہوتے ہیں جو جگہ لے لیتے ہیں۔ تم میرے جذبوں پر پہرے تو نہیں لگا سکتیں۔" وہ تھکی سی ڈائننگ ٹیبل کے اس پار کھڑی ان کو دیکھے گئی۔ بے یقینی، حیرت اور شاک اس کی آنکھوں میں رقم تھا۔

"آپ..... آپ اسد کو بھول گئے ہیں؟"

"کوئی باپ اپنے بیٹے کو نہیں بھول سکتا۔ میں بس فرہاد میں اسد کو تلاش کرنے لگا ہوں۔" وہ آزردہ سے لگ رہے تھے۔

"بہت اچھے!" اس نے غصے سے پانی کا جگ میز پر رکھا۔ "آپ اسد کو اسی میں تلاش کرتے رہیں مگر کل کو مجھے نہ کہیے گا کہ میں بھی اسد کو اسی میں ڈھونڈوں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں، پیر پٹختی کچن کی طرف چلی گئی۔

پھر کھانے پر وہ خاموشی سے اپنا کھانا ختم کرتی رہی۔ وہ دونوں باتیں کرتے رہے مگر لالہ رخ ایک لفظ نہ بولی۔ اس کی گردن اتنی جھکی تھی کہ ٹھوڑی سینے کو

بھجوا رہی تھی۔ فرہاد نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ابا میاں سے مختلف موضوعات پہ تبادلہ خیال کرتا رہا۔ شہر کے حالات سے لے کر اپنے بچپن کے واقعات تک۔ وہ بہت بولتا تھا اور بہت اچھا بولتا تھا۔ ابا میاں خوب محظوظ ہو رہے تھے مگر وہ خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی پھر سویٹ ڈش کے برتن اٹھا کر جب کچن میں گئی تو پچھلے دروازے سے ہوتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ نہ کسی نے اسے بلایا، نہ وہ خود گئی۔ گھنٹے بھر بعد وہ باہر لاؤنج میں آئی تو ٹی وی چل رہا تھا اور ابا میاں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے، مسکراتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہے تھے۔ سامنے میز پر رکھے دو چائے کے خالی مگ گواہی دے رہے تھے کہ چائے ان میں سے ہی کسی نے بنائی ہے اور یقیناً فرہاد نے بنائی تھی کیونکہ یہ سبز والے مگ اسی نے کیبنٹ سے نکالے ہوں گے، ورنہ ابا میاں چائے بناتے تو سامنے اسٹینڈ پر رکھے عام استعمال کے مگ نکال لیتے۔ باہر کے بندے کو علم نہیں ہوتا کہ کون سا برتن اس گھر میں کیسے استعمال ہوتا ہے۔

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ ابا میاں اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ فرہاد جا چکا تھا البتہ اس کے پرفیوم کی بھینی بھینی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

اس کے بعد ابا میاں اسے اکثر گھر پہ بلانے لگے۔ وہ لاکھ چڑتی، لاکھ خفا ہوتی، وہ اثر ہی نہیں لیتے تھے۔ کبھی چائے پہ تو کبھی کھانے پہ وہ ان کے ساتھ شامل ہوتا تھا۔ اس کے بعد شطرنج کا دور چلتا اور وہ دونوں گھنٹوں بیٹھے بساط پہ چالیں چلتے رہتے۔ رضا انکل کی طبیعت ذرا خراب تھی تو وہ ان دنوں کم ہی آ رہے تھے اور اگر آتے بھی تو صبح کے وقت، جب تو فرہاد آفس ہوتا تھا، یوں رضا انکل کے نہ آنے سے ابا میاں خاصے بور ہوتے لیکن شام میں وہ آجاتا تو انہیں مکمل وقت دیتا۔ اس کی رکھائی کو محسوس کیے بغیر آتے جاتے کوئی چھوٹی سی بات کہہ دیا کرتا تھا۔ وہ شروع میں تو بس اس کے سلام کا جواب دیتی تھی مگر آہستہ آہستہ وہ اس کی باتوں کو ہلکا پھلکا جواب دینے لگی۔

اسے پتا بھی نہ چلا اور کب ان دونوں کو فرہاد کی عادت پڑ گئی۔ روز شام کو ایک ہشاش بشاش مسکراتے چہرے کے ساتھ آنے والے فرہاد کے اب وہ عادی ہو گئے تھے۔ لاؤنج کے کسی کونے میں اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے بیٹھی وہ لاشعوری طور پر اس کے قہقہوں اور باتوں کی طرف توجہ دینے لگی تھی۔

اس شام جب گھر میں ایک ویران سی اداسی چھائی تھی، اسے فرہاد کا نہ آنا بہت کھلا تھا۔ وہ روز شام کو آجاتا تھا۔ آج پتا نہیں کدھر رہ گیا۔ وہ یونہی لاؤنج میں کچھ دیر ادھر ادھر چکر کاٹتی رہی پھر باہر آ گئی، اتنی بامروت تو تھی نہیں کہ جا کر اس کا حال پوچھتی، سو گیٹ عبور کر کے باہر کالونی کی سڑک کے کنارے واک کرنے لگی۔ جب وہ اپنے اندر کی وحشتوں سے تنگ آ جاتی تھی تو یونہی واک پر نکل جایا کرتی تھی۔ آج تو اس نے یتیم خانے کے بچوں کا کھانا بھی نہیں بنایا تھا۔ پتا نہیں کیوں ایک عجیب سی بیزاری ہر سو چھائی تھی۔ جب وہ دو ایک دوسرے کو کافی تھے تو تیسرے کو اپنی زندگیوں میں داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اسے ابا میاں پہ غصہ آنے لگا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے!" کسی نے ایک دم اس کے عقب میں آ کر زور سے کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔

وہ اپنی ازلی ہشاش بشاش، تروتازہ مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہر رنگ کے سوسن کے پھولوں کا گلدستہ بھی تھا جسے اس نے لالہ رخ کی طرف بڑھایا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔"

"آپ کو کس نے بتایا کہ آج میری سالگرہ ہے؟" وہ متعجب سی اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں، کیا نہیں ہے؟"

"ہے مگر آپ کو کس نے بتایا؟" وہ ذرا سنبھل کر بولی۔

"ابا میاں نے بتایا تھا، میں نے سوچا کوئی تحفہ دوں گا تو آپ قبول نہیں کریں گی، اسی لیے پھول لے آیا۔ پھولوں سے تو کوئی انکار نہیں کرتا۔" اس نے گلدستہ بڑھا رکھا تھا، لالہ رخ نے تذبذب سے اسے دیکھا اور پھر پھولوں کو۔۔۔ قدرے جھجکتے ہوئے اس نے گلدستہ تھام لیا۔

"بہت شکریہ۔۔۔ مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

وہ اپنی ازلی سنجیدگی سے بولی مگر اس سنجیدگی میں رکھائی نہیں تھی۔

"ضرورت کیوں نہیں تھی؟ پھولوں کی ضرورت ہر انسان کو ہوتی ہے اور تازگی کی ضرورت اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔"

"انسان، انسان میں فرق ہوتا ہے!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی پھر ایک دم کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھی۔

"اوہ، چھ بج گئے، میں ذرا آتی ہوں۔" وہ یونہی گلدستہ اٹھائے آگے بڑھنے لگی پھر رک کر پھولوں کو دیکھا اور پھر اسے۔

"آپ یہ برآمدے میں رکھ دیں گے، میں ابھی آتی ہوں۔"

"آخر آپ ہر شام چھ بجے کدھر جاتی ہیں؟" وہ اچنبھے سے گویا ہوا۔ پھول اس نے واپس تھام لیے تھے۔

"یہاں برابر میں ایک بریگیڈیئر صاحب ہوتے ہیں، ان سے کچھ کام تھا۔"

"پوچھ سکتا ہوں کیسا کام؟"

"کچھ پوچھنا تھا ان سے۔۔۔؟"

"ایسا کیا ہے جو آپ کو روز پوچھنا پڑتا ہے لالہ رخ؟" وہ حیران بھی ہوا اور الجھا بھی۔

"ہے کچھ، میں ابھی آئی۔" وہ پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چلتی سڑک پر آگے بڑھ گئی۔ فرہاد ہاتھ میں پھول پکڑے سوچتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

وہ واپس آئی تو پھول برآمدے کی میز پر رکھے تھے اور وہ آس پاس کہیں نہیں تھا۔ اس نے گلدستہ اٹھایا اور اندر اپنے کمرے میں لے آئی۔ کھڑکی کے ساتھ اس نے وہ پیک شدہ گلدستہ سیدھا کھڑا کر دیا

SOLE DISTRIBUTOR
of U. A. E
WELCOME BOOK SHOP
JASOOSI SUSPENSE PAKEEZA SARGUZASHT
P.O.Box 27869 Karama,Dubai Tel: 04-3961016
Fax: 04-3961015 Mobile: 050-6245817
E-mail: welbooks@emirates.net.ae
Best Export From, Pakistan
WELCOME BOOK PORT
Publisher , Exporter , Distributor
All kinds of Magazines, General Books and Educational Books
Main Urdu Bazar, Karachi Pakistan
Tel: (92-21) 32633151, 32639581 Fax: (92-21) 32638086
Email: welbooks@hotmail.com
Website: www.welbooks.com

اور پھر ان پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ وہ پہلے سے زیادہ تازہ لگنے لگے اور سارے کمرے میں خوشبو بکھیر دی۔ وہ پھولوں کے ساتھ کرسی ڈالے بیٹھی یونہی ان کو تکتی رہی یہاں تک کہ شام بیت گئی اور یتیم خانے کے بچے اسے بھول گئے۔

☆☆☆

ہر دن اپنے ساتھ نئی ہوا لاتا اور سوسن کے رنگ دار پھول باسی ہوتے گئے۔ ہرے پتے مرجھا کر پیلے بھورے پڑ گئے اور پھولوں کی ٹہنیاں سخت ہو کر اکڑ گئیں مگر وہ اس کی کھڑکی میں یونہی پڑے رہے۔ اسے پتا بھی نہیں چلا اور اسے ان کی باسی خوشبو اچھی لگنے لگی۔

اس شام ابا میاں نے اسے بتایا کہ فرہاد کو رات سے بخار ہے۔ اسے ایک دم ڈھیر سارے دکھوں نے آن گھیرا۔ ابا میاں اس کے پاس چلے گئے تو وہ کچن میں لگ گئی۔ نوراں کو ساتھ لگائے اس نے سوپ اور کھچڑی تیار کی، ساتھ چند چیزیں اور رکھیں اور پھر جب نوراں ٹرے لیے انیکسی کی طرف جا رہی تھی تو وہ اس کے ساتھ ہی تھی۔

وہ ابا میاں کے ساتھ انیکسی کے لونگ روم میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ چہرے سے ہی نقاہت عیاں تھی۔ آنکھیں ذرا سرخ تھیں۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں ان کی بات کا جواب دے رہا تھا جب وہ نوراں کے پیچھے چلتے ہوئے اندر آئی۔ اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ وہ ایک دم بہت حیرت اور تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ اس حیرت کے درمیان ہی کہیں اس کی آنکھوں میں ایک روشنی سی جل گئی جسے وہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکی۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ یہ ادھر رکھ دو۔" بیک وقت دونوں کو نرمی سے مخاطب کرتی وہ ابا میاں کے ساتھ ٹوسیٹر پر جا بیٹھی۔ وہ ابھی تک کسی خوشگوار حیرت کے زیر اثر تھا۔

"آپ...... میں ٹھیک ہوں مگر آپ خود آگئیں، ٹھیک ہے لالہ رخ۔" وہ صد درجہ متاثر ہوا تھا۔

"ابا میاں نے بتایا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔" اس نے ابا میاں کی طرف دیکھ کر کہا جو ذرا افسردہ سے لگ رہے تھے۔ نوراں ٹرے میز پر رکھ کر جا چکی تھی۔

"ابا میاں تو یونہی پریشان ہو جاتے ہیں، بس چھوٹا موٹا سا بخار ہے، ٹھیک ہو جائے گا مگر اس سب کی ضرورت نہیں تھی، مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"پرہیزی کھانے کی ضرورت ہر بیمار کو ہوتی ہے۔" وہ ذرا سا چونکا تو کیا وہ اس کی باتیں یاد رکھے ہوئے تھی؟

"ٹھیک ہے لالہ رخ۔" وہ وقتاً اس کا احسان مند تھا۔ وہ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی اور اسے اچھا لگا تھا وہاں بیٹھنا۔ کوئی اپنائیت سی در آئی تھی انیکسی میں۔ سب کچھ شناسا سا لگنے لگا تھا۔

چھ بج گئے تو اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور پھر بھی بیٹھی رہی۔ پتا نہیں کیوں مگر آج اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ وہ وہاں سے اٹھے اور بریگیڈیئر اطہر کے والدین کے گھر جائے۔ کوئی بات نہیں کل چلی جائے گی۔

اور پھر اگلے چند دن وہ یونہی نوراں کے ساتھ کھانے کی ٹرے لیے اس کا حال پوچھنے آتی رہی۔ ابا میاں وہاں بیٹھے ہوتے تو وہ بھی بیٹھ جاتی۔ ورنہ کھڑے کھڑے چند باتیں کر کے چلی آتی۔ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوا تو آفس کے چند کاموں میں ایسا گھرا کہ کچھ روز شطرنج کے لیے نہیں آسکا۔ ان دنوں گھر یوں ویران لگتا گویا کوئی آسیب تھا جو در و دیوار سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ دونوں خاموش خاموش سے رہنے لگے۔ وہ ان کی ضرورت بن چکا تھا۔ اس اعتراف سے وہ دونوں ہی نگاہیں چرانے لگے تھے۔

وہ کھانا اب روز نہیں بناتی تھی، اکثر ناغہ کر جاتی۔ بریگیڈیئر اطہر کے والدین کے گھر بھی ہر دم نہیں جاتی بلکہ اس دفعہ تو پورا ہفتہ گزر گیا اور وہ نہیں گئی۔ دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

اس شام وہ آیا تو گھر کے در و دیوار جاگ اٹھے۔ وہ بیٹھے ہوئے شطرنج کی بساط سجاتے ہوئے وہ مسلسل بول رہا تھا، ہنس رہا تھا اور پھر یک دم اس کے کسی لطیفہ سنانے پر وہ دھیرے سے ہنس پڑی تو فرہاد اور ابا میاں نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

"تم نے میری بچی کو ہنسنا سکھا دیا فرہاد۔" ابا میاں نم آنکھوں سے ٹھہر کر بولے تو لالہ رخ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ایک دم وہاں سے اٹھ آئی۔

باہر لان میں تاریکی پھیلی تھی۔ وہ بین گھاس پر بچھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ تو نہیں ہنستی تھی پھر آج کیسے ہنس پڑی؟ کیا وہ لطیفہ اتنا دلچسپ تھا یا وہ فرہاد کے دوبارہ آنے پر خوش تھی؟ وہ سر ہاتھوں میں دیے بیٹھی سوچتی رہی۔

"یوں الجھنے سے کچھ نہیں ہوگا لالہ رخ!" وہ یک دم کہیں آس پاس سے بولا تو اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ وہ برابر میں کرسی کی پشت تھامے کھڑا تھا۔

"میں تو نہیں الجھ رہی۔" وہ شانے اچکا کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ ہنستی رہا کریں، اچھی لگتی ہیں۔"

"مجھے ہنسنا نہیں آتا فرہاد صاحب...... جس کرب سے میں گزری ہوں، وہ ہنسنا بھلا چکا ہے مجھے۔"

"میں آپ کا دکھ سمجھتا ہوں لالہ۔" وہ کرسی اس کے قریب کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ "آپ کی ٹریجڈی بہت بڑی ہے مگر زندگی جمود کا نام نہیں ہے۔ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے، خود پہ چھایا ہوا جمود توڑیں، تازہ ہوا کا کوئی روزن کھولیں، ہر انسان کو تازگی کی ضرورت ہوتی ہے، آپ تازگی کیوں نہیں چاہتیں؟"

رات کے اس پہر لان کی گھاس نم تھی، وہ اس پر ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔ آدھے چاند اور برآمدے کی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں فرہاد کا چہرہ مدھم مدھم سا دکھائی دیا۔

"آپ کو لگتا ہے میں جان بوجھ کر اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں؟"

"کیا نہیں کر رہیں؟"

"آپ اس کرب سے گزرے ہوتے تو سمجھتے۔" لالہ رخ نے قدرے دکھ سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔"

"کیسے سمجھ سکتے ہیں آپ؟ گزرے ہوں گے آپ بھی بہت غموں سے مگر میرا غم آپ کے غموں سے مختلف ہے، یہ ہر پل کاٹنے والا ایک زہریلا ناگ ہے جو میرے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ کھونے کا کرب بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ دکھ کو قرار نہیں پانے دیتا۔ میرے دکھ کو بھی قرار نہیں ملتا۔"

"کیا آٹھ سال بھولنے کے لیے سیٹل ڈاؤن ہونے کے لیے کافی نہیں ہوتے؟" وہ سنجیدگی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"بھولا تب جاتا ہے جب دکھ کو ٹھکانا مل جائے، میرے دکھ کو ٹھکانا نہیں ملتا، میرے آنسوؤں کو جذب ہونے کے لیے مٹی نہیں ملتی۔" وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے کہہ رہی تھی۔ ایک موتی اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر رخسار پہ پھسل گیا۔

"مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا لالہ رخ!"

"مرنے والے؟" اس نے بند آنکھوں سے نفی میں گردن ہلائی۔ "میرا کوئی نہیں مرا، میرے بچے اور میرا شوہر...... سب زندہ ہیں۔"

"زندہ ہیں؟" اس نے تعجب سے دہرایا۔ "مگر آپ نے تو کہا تھا کہ وہ......"

"کہ وہ وہاں چلے گئے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ سچ کہا تھا میں نے۔ وہ زندہ ہیں مگر اُدھر ہیں جہاں سے واپسی نہیں ہوتی۔" چند لمحے وہ خاموشی سے سانس لیتی رہی پھر بولی تو آواز آنسوؤں سے گیلی تھی۔ "وہ لاپتا ہیں۔"

"لاپتا؟"

"آٹھ برس پہلے، وہ جمعے کا دن تھا اسد اور میرے دونوں بیٹے تیار ہو کر جمعہ پڑھنے گئے تھے۔ سفید کلف لگے کرتوں میں۔ وہ پورے اہتمام کے ساتھ جمعے کے لیے جاتے تھے۔ اس روز بھی بہت خوش باش، ہنستے مسکراتے گئے تھے۔ میں نے اس دوپہر سندھی بریانی بنائی تھی، رائتہ سلاد سب تیار کر کے میز پر لگا رکھا تھا اور ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھی میں گھڑی کو دیکھتے ان کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ واپس نہیں آئے۔ کئی گھنٹے بیت گئے، ابا میاں کی طبیعت خراب تھی تو وہ گھر پر تھے جب عصر ڈھلنے کو آئی تو میں مسجد تک گئی وہاں اسد کی گاڑی ویسی ہی کھڑی تھی، امام صاحب اور دوسرے چند لوگوں نے بتایا کہ جمعے کے بعد کچھ افراد آئے تھے چند لوگوں کو پکڑ کر گاڑیوں میں ٹھونسا اور چلے گئے۔ میں اور ابا میاں پاگلوں کی طرح ایک تھانے سے دوسرے تھانے بھاگتے رہے مگر ہر کوئی لاعلم تھا۔ میرے معصوم بیٹوں کو کس نے پکڑا، وہ ظالم کون تھے، میں نہیں جانتی، کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے پورے شہر کا، ہر تھانے کا، چھاؤنیوں کا ایک ایک چپا چھان مارا، میں ہر دروازے پر گئی جہاں سے مجھے امید تھی مگر ہر جگہ میری امید توڑ کر مجھے لوٹا دیا گیا۔ میں نے پھر بھی اپنے بیٹوں اور اپنے شوہر کو نہیں دیکھا۔ کچھ وقت گزرا تو خبریں آنے لگیں کہ میرے بیٹے اور بھی بہت سے گھروں سے کچھ لوگ لاپتا ہیں پھر کچھ وقت اور ابھرتے گئے۔ ہمیں پتا چلا کہ شاید اسد اور میرے بچوں کو بھی کچھ اجنبیوں کے ہاتھوں بیچ دیا گیا ہے میں پھر اس خاندان سے ملی جن کا کوئی بیٹا بھی گرفتار کر دیا گیا تھا اور مجھے آہستہ آہستہ علم ہوتا گیا کہ چند سکوں کے بدلے میں میری محبتوں کو بیچ دیا گیا ہے جس نے بیچا اسے بیچنے کا حق نہیں تھا۔ جس نے خریدا اسے خریدنے کا حق نہیں تھا۔ یہ سودا کرنے والے کون تھے میں نہیں جانتی مگر مجھے امید ہے کہ روزِ حشر میں ایک ایک کا چہرہ پہچان لوں گی، ایک ایک کا گریبان پکڑوں گی۔ اس روز انہیں کوئی نہیں بچا سکے گا مگر اس دنیا میں میں کچھ نہیں کر سکتی۔ نہ ان کو ڈھونڈ سکتی ہوں، نہ اپنے گھر والوں کو پورا دن اور پوری رات مجھے یہ احساس رُلاتا ہے کہ میرے بچے اس روز بھوکے گئے تھے۔ اس دن کے بعد سے ان آٹھ سالوں میں پتا نہیں انہوں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں یا پھر کہیں وہ اس دن سے بھوکے تو نہیں ہیں۔ وہ زندہ ہیں اس کا مجھے یقین ہے مگر وہ کیسے ہیں، کس حال میں ہیں، میں کچھ نہیں جانتی۔ میں ہر شام ان کے پسندیدہ کھانوں کے دیگچے بناتی ہوں اور یتیم خانوں میں دے آتی ہوں۔ میں کسی کے بچوں کو کھلاؤں گی تو اللہ میرے بچوں کو کھلائے گا۔ رزق کا وعدہ تو اس نے کر رکھا ہے وہ اسے پورا کرے گا۔ مجھے اس پر بھروسا بھی ہے۔ میری امید بھی زندہ ہے مگر میرے غم کو قرار نہیں ملتا۔ دکھ کو ٹھکانا نہیں ملتا۔ کوئی خبر آجاتی یا وہ تینوں اگر مر چکے ہوتے تو میں چند روز، چند ہفتے، چند مہینے یا چند سال روتی، ماتم کرتی، دیواروں سے سر ٹکراتی اور پھر رو رو کر خود ہی چپ ہو جاتی۔ میرے غم کو ٹھکانا مل جاتا مگر اب یہ بے یقینی، یہ لاعلمی، یہ اضطراب میرا غم بڑھاتا جا رہا ہے۔ بے یقینی صورتِ حال یقینی غم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ میں ہر روز ماری ماری

پورے شہر میں پھرتی ہوں۔ شاید وہ نظر آجائیں، شاید کہ کوئی اپنا مل جائے۔ میں ہر روز شام کی چائے کے وقت۔۔۔ بریگیڈیئر صاحب جو میرے ہمسائے ہیں ان کے پاس جاتی ہوں۔ میں روز ان سے ایک ہی سوال کرتی ہوں کہ میرے بچوں اور میرے شوہر کا کچھ پتا چلا؟ وہ روز ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ انشاء اللہ جلد ہی پتا چل جائے گا۔ میں روز امید سے کر جاتی ہوں اور میں روز ٹوٹی امید کے ساتھ لوٹتی ہوں۔ مجھے اس امید کے کھیت کو روز پانی دینا پڑتا ہے مگر پھر بھی کبھی کبھی یہ سوکھنے سر جھکانے لگتا ہے۔ میری زندگی کا اب ایک ہی مقصد رہ گیا ہے۔ فرہاد صاحب کہ میں بھوکوں کو کھانا کھلاؤں تاکہ میرے بچے بھوکے نہ رہیں۔ میں بے گھر لوگوں کو پناہ دوں تاکہ وہ کہیں دنیا کے کسی دوسرے خطے میں میری لاپتا محبتوں کو پناہ مل جائے۔ میں گھونسلوں سے گرے پرندوں کو اٹھا کر واپس گھونسلوں میں ڈال دوں۔۔۔ شاید کہ میرے بچے بھی لوٹ آئیں۔" اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں تو چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ ننھے ننھے قطرے رخسار پر سے پھسل کر ٹھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ فرہاد بالکل خاموش، دم بخود سا بیٹھا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی۔

"یہ تھی میری کہانی، جس کو جاننے کے لیے آپ ہم دونوں کے قریب آئے تھے۔ ابا میاں تو کبھی یہ ساری کہانی آپ کو نہ سناتے، نہ ہی ہمارا کوئی جاننے والا آپ کو اتنی تفصیل بتاتا۔ میں جانتی ہوں آپ کو میرا رویہ بے چین رکھتا تھا۔ تجسس والا تھا سو میں نے چاہا کہ میں یہ تجسس ختم کر دوں تاکہ آپ کی وہ وجہ ختم ہو جائے جس کے لیے آپ ہمارا اتنا خیال کرتے ہیں۔ غرض جس رشتے میں شامل ہو وہ اسے بہت جلدی توڑ دیتی ہے اور ایسے ٹوٹنے والے رشتے بہت تکلیف دیتے ہیں۔ سو میں نے اس غرض کے رشتے کو ختم کر دیا۔ اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہہ دیں ورنہ میں جاؤں؟" وہ ہتھیلی کی پشت سے رخسار رگڑتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

"نہیں، میں تو۔۔۔" وہ سخت شرمندہ لگ رہا تھا۔

"میں نے اور ابا میاں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ کاشان کہ کسی جاننے والے کی ایجنسی خالی ہو رہی ہے، آپ چاہیں تو ادھر شفٹ ہو سکتے ہیں۔ کانٹریکٹ کے مطابق ہم آپ کو ایک ماہ کا نوٹس دے رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں ایجنسی واپس چاہیے ہوگی۔ یہ ہم دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے اور ہمیں امید ہے کہ آپ کو مان لیں گے اور وہ پہلے سے دکھی انسانوں کو مزید تکلیف نہیں دیں گے۔"

کتنے ہی پل وہ سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر دھیرے سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مگر آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟"

"کیونکہ ہم دو ایک دوسرے کو کافی ہیں۔ ہمیں کسی تیسرے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمارا کوئی تیسرا ہے تو صرف اللہ ہے۔ انسان ہمارے قریب اس لیے نہیں آتے کہ انہیں ہم سے محبت ہوتی ہے، وہ صرف اور صرف تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آتے ہیں۔ ہماری زندگیوں کی گتھیاں جاننے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں سلجھانے کے لیے نہیں اور پھر اس کے بعد لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اپنے پہلے ہی لاپتا ہیں۔ اب مزید رشتے بنا کر انہیں کھونے کا حوصلہ ہم میں نہیں ہے۔" وہ واپس مڑ گئی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی برآمدے کے زینے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ رات کی تاریکی میں اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اسے پیچھے سے پکارنے کی بری عادت تھی مگر آج وہ چاہنے کے باوجود اسے نہیں پکار سکا۔